© rasailojaraid.com

مدارس عربیہ دینیہ اور نصابِ تعلیم

محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ

[یہ مضمون آج سے تقریباً نصف صدی قبل صاحب معارف السنن حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا تھا، جس میں دینی مدارس کے نصاب تعلیم کی اہمیت اور اس پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے دورِ حاضر کے مطابق اس میں مناسب اضافہ وترمیم کے متعلق حضرت نے چند گزارشات پیش کی تھیں، مضمون کی اہمیت کے پیش نظر نذرِ قارئین ہے......] (ادارہ)

عرصہ دراز سے علمی حلقوں میں مسئلہ نصابِ تعلیم زیرِ بحث ہے اور شدت سے یہ احساس ہو رہا ہے کہ موجودہ مدارس دینیہ عربیہ کا مروجہ نصاب قابل ترمیم ہے اور مسائل حاضرہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے یہ نصاب کافی نہیں، امت کے مصالح اور وقت کے تقاضے اس سے پورے نہیں ہوسکتے، بل کہ بہت سے ابنائے عصر اور جدید تعلیم یافتہ قدیم نصاب کی افادیت سے ہی منکر ہیں، یہاں تک کہ بعض غیر سنجیدہ دماغ تو ان علمی درس گاہوں کے وجود کو بھی غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

جہاں تک اصل موضوعِ بحث کا تعلق ہے تو اس میں شک نہیں کہ وقت کی دوسری اہم ضرورتوں کی طرح یہ مسئلہ بھی اہم اور توجہ کا مستحق ہے۔ زمانہ بدل گیا، خیالات بدل گئے، قوموں کی نفسیات بھی تبدیل ہوگئیں، سائنس کی ترقیات نے معاشیات واقتصادیات کی نئی راہیں کھول دیں۔ تخصص ابواب میں تمدن حاضر نے بہت سے جدید ابواب کا اضافہ کیا، ممالک خارجہ سے تجارت، درآمد وبرآمد کے نئے وسائل اور بینکوں کے نظام نے اسلامی نقطہ نگاہ یا شرعی نظام کے راستے میں بہت سے پیچیدہ مسائل پیدا کردیے، نئے افکار وخیالات، جدید معتقدات اور مختلف علمی ودینی فتنوں نے جدید علم کلام کی اہمیت واضح کردی۔ یہ خیالات سب درست اور بجا ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حق تعالیٰ جل ذکرہ نے بھی باوجود اپنی قدرت لامحدود اور علم محیط کے انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں وقت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقاضوں کی رعایت فرمائی، عہدِ ابراہیمی میں صابئین بابل ونینویٰ کے طبعیین کا عروج تھا، اس لیے ابراہیم علیہ السلام کو معجزہ بھی ایسا عطا ہوا کہ صابئین وطبعیین کے لیے باعث حیرت واعجاز ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں شعبدہ بازی اور اس قسم کے فنون کا عام چرچا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یونانی اطباء اور ان کے حیرت انگیز معالجات کا دور دورہ تھا۔ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اگر سرزمین عرب میں فصاحت و بلاغت، قوت بیانی، شعر وخطابت کا شہرہ تھا تو ایران میں خسروانہ کروفر، ایرانی تہذیب وتمدن کا دل ربا منظر تھا اور رومۃ الکبریٰ میں بازنطینی نظام وآئین کارفرما تھا، لیکن دنیا نے دیکھا اور بڑی حیرت سے دیکھا کہ ان طاغوتی طاقتوں کو رب العلمین کے بندوں کی معجزانہ کارفرمائیوں نے کیسی فاش شکست دی اور آخر میں رب العالمین نے کیسے فصیح و بلیغ معجزانہ اسلوب وبیان میں کیسا محیر العقول دستور ومکارم اخلاق کا کیسا جامع ترین نظام نامۂ حیات نازل فرمایا۔

پھر اسلام کی علمی تاریخ میں آپ دیکھیں کہ ہمارے سلف صالحین نے ہر دور میں وقت کے تقاضوں اور امت کی مصلحتوں کا کیسے خیال کیا، بلاشبہ اب بھی اس کی تقلید کرنے کی ضرورت ہے اور صحیح ضرورت ہے، عصری علوم کی ضرورت اور معاشی واقتصادی وسیاسی مشکلات کی عقدہ کشائی کے سوال کی اہمیت بھی واضح ہے، لیکن تعلیمِ قرآن، درسِ حدیث اور علومِ عربیہ وغیرہ قدیم علوم ومعارف کی جتنی اہمیت ہونی چاہیے شاید ہی کسی دور میں اتنی اہمیت سمجھی گئی ہو۔ کسی مفید ونافع علاج کی اہمیت اسی وقت زیادہ محسوس ہونی چاہیے جب کہ مرض عام ہو اور ضرورت شدید ہو، ہماری انہی دینی درس گاہوں سے اسی صدی میں ایسے ایسے اکابر اور امت کے ایسے ایسے رہنما پیدا ہوئے کہ تاریخ بجا طور پر ان پر فخر کرے گی اور دنیائے اسلام کی علمی تاریخ میں ان حضرات کے اسمائے گرامی بہت جلی حروف میں لکھے جائیں گے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: قدیم نصاب پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ ہے کہ یہ حضرات سارے علوم عربیہ پڑھ لینے کے بعد عربی گفتگو پر قادر نہیں ہوتے۔ کتنے علماء کے اسمائے گرامی پیش کیے جاسکتے ہیں کہ جو بلاتکلف فصیح ترین عربی لب ولہجہ میں گفتگو کی بہت بڑی قدرت رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بولنا خاص ممارست وتمرین ومشق پر موقوف ہے۔ ہم نے ممالکِ اسلامیہ بلکہ خاص قاہرہ ومصر کے بہت سے علماء کو دیکھا کہ وہ فصیح عربی پر ارتجالاً پوری قدرت نہیں رکھتے، بلکہ بعض بہترین بولنے والے ادباء کو دیکھا کہ وہ بلاتکلف فصیح علمی زبان بولنے پر قادر نہیں جیسے وہ لکھتے ہیں، بل کہ عام مروجہ عامیانہ زبان استعمال کرتے ہیں۔

تیسری چیز یہ کہ عربی علوم کو لسانیات کے طرز تعلیم پر نہیں پڑھایا جاسکتا بلکہ کتابیں علوم سکھانے کے لیے پڑھائی جاتی ہیں، اسی لیے ہمارے عربی نصاب کی ابتدائی درجات میں متعدد کتابیں صرف ونحو کی فارسی میں پڑھائی جاتی ہیں۔ الغرض یہ کہ علوم کو درجہ اولیٰ میں رکھا گیا ہے اور لسانیات کو ثانوی بلکہ ضمنی درجہ دیا گیا ہے اور عربی بولنے لکھنے کو مقاصد میں شمار نہیں کیا گیا تھا، بہرحال یہ نقطہ نگاہ کا فرق تھا۔ انگریزی تعلیم میں زبان کو پہلا درجہ دیا گیا اور اسلوبِ تعلیم زبان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے مناسب ہو سکتا تھا وہی اختیار کیا گیا اور پھر دنیا میں جو ترغیبی وسائل اس کے لیے تھے وہ اس پر مستزاد۔ بے شک اب وقت کے تقاضوں کے پیش نظر اس اسلوب کے بدلنے اور لغت عربی کی تعلیم مقاصد میں شامل کر کے پہلے درجہ میں رکھنے کی ضرورت ہے۔

قدیم مروجہ نصاب پر ناقدانہ نظر اور اس کی خصوصیت: اس سے پہلے کہ ان وجوہِ تنقید کو ذکر کیا جائے جو مروجہ نصاب مدارس عربیہ پر ہو سکتے ہیں یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اصل قصور نصاب کا نہیں بل کہ اسلوبِ تعلیم و منہاج تدریس کا ہے۔ نصاب کیسا بھی ہو اگر طرز تعلیم و طریقۂ تربیت کی اصلاح و کوشش ہوتی تو یقیناً عام طور سے جو نقائص محسوس ہوتے ہیں یہ نہ ہوتے۔ مروجہ نصاب جسے درس نظامی کہا جاتا ہے درحقیقت یہ تو چند صدیوں کی ترمیم و اصلاح کے بعد ایک مکمل صورت ہے، اس ملک کے مختلف ادوار میں کیا کیا نصاب رہا اس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ زیادہ تر مقصد اس نصاب کا یہ تھا کہ اس کے پڑھنے سے سارے علومِ نقلیہ و عقلیہ، بحث و نظر اور تحقیق میں تدقیق میں صحیح رسوخ پیدا ہو جائے اور قوی استعداد و قابلیت میسر آئے، یہ کبھی مقصد نہیں رہا کہ یہ درس اور یہ نصاب ان علوم کی آخری معلومات اور تفصیلی ابحاث کے لیے کافی ہے، لیکن اس میں شک نہیں اور بلا خوف و تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس قدیمی نصاب کا واقعی فاضل اور فارغ التحصیل ہر مشکل سے مشکل نظریہ اور جدید مسائل اور جدید علوم کو سمجھنے کی پوری قابلیت رکھتا ہے۔ بطور مثال یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ قدیم بطلیموسی یا فیثا غورث ہیئت سمجھنے والا آج بھی یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ محض مطالعہ سے جدید ہیئت اور جدید فلسفہ و سائنس کو سمجھے اور صرف مطالعہ سے ان مشکلات سے عہدہ برآ ہو۔ کیا شرح چغمینی، صدرا، شمس بازغہ اور شرح اشارات سمجھنے والا یہ قابلیت نہیں رکھتا کہ جدید طبعیات و ریاضیات کی جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں انہیں سمجھ سکے؟ یقیناً رکھتا ہے۔ کیا غزالیؒ و ابن رشدؒ کے تہافۃ الفلاسفہ کو سمجھنے والا ان جدید تالیفات کو نہیں سمجھ سکے گا؟ یقیناً سمجھ سکے گا۔ اگر قصور ہے تو مطالعہ کا ہے اور نقص ہے تو توجہ نہ کرنے کا، بل کہ ان جدید کتابوں کا اسلوب اتنا شگفتہ اور بیان اتنا واضح اور دل کش ہوتا ہے کہ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ ہم نے دیکھا کہ جب مصر سے "الدروس الاولیة في الفلسفة الطبيعية" چھپ کر آگئی تو حضرت امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری دیوبندیؒ نے اساتذہ دار العلوم دیوبند کو پڑھائی تا کہ جدید طبعیات سے ابتدائی واقفیت ان حضرات کو بھی ہو جائے اور ہم نے دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب کو مطالعہ سے ہی ان جدید علوم ریاضیات و طبعیات کے اتنے ہی معلومات تھے جتنے کسی فن کے ماہر و متخصص ہی کو ہو سکتے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض نظریات اور تحقیقات جو اب تک انگریزی یا جرمنی وغیرہ یورپ کی زبانوں سے عربی میں منتقل نہیں ہوئے ان کا علم بغیر ان زبانوں کے حصول کے نہ ہو سکے، لیکن اس میں قصورِ فن یا استعداد کا نہیں بل کہ زبان کا ہوگا۔

غرض جہاں تک قابلیت و استعداد کا تعلق ہے سابقہ قدیم سے زیادہ معیاری نصاب شاید ہی پیش کیا جا سکے، اگر صحیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریقے سے سمجھ کر ان علوم کو اور ان سارے فنون کو حاصل کیا جائے تو ایک عجمی بھی فاضل بن سکتا ہے اور ذکی شخص ایک محقق روزگار بن سکتا ہے۔ اگر کسی کی تحصیل ہی ناقص ہے اور جملہ علوم وفنون حاصل ہی نہیں کیے تو نصاب کا کیا قصور؟!

سوال تو یہ ہے کہ ان قدیمی علوم وفنون کو اور اس کے نصاب کو باقاعدہ کسی نے حاصل کیا اور صحیح معنی میں تکمیل کی تو یقیناً جو جامعیت، دقتِ نظر اور رسوخ فی العلم اسے حاصل ہوگا اس کی نظیر کہیں مشکل سے ملے گی۔ بہر حال جو کچھ عرض کیا گیا اس کے صحیح ہونے کے باوجود عربی مدارس کے نصابِ تعلیم کی تجدید وترمیم واصلاح کی ضرورت ہے، اس لیے نہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں کافی نہ تھا یا صحیح استعداد پیدا کرنے سے قاصر تھا، بل کہ مزید علوم جدیدہ یا معلوماتِ عامہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ وقت کے تقاضے بدل گئے، طبیعتوں کے سانچے بدل گئے، اذواق وافکار میں فرق آگیا، عبارتی دقت وموشگافیوں کے لیے مزاجوں میں صلاحیت نہیں رہی۔ اب بہت اختصار کے ساتھ ان نقطوں کو پیش کرنا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے یہ تبدیلی وترمیم ضروری ہے۔

مدارس عربیہ دینیہ میں اس وقت جو نصابِ تعلیم رائج ہے حدیث وفقہ کی چند کتابوں کو مستثنیٰ کرنے کے بعد زیادہ ساتویں صدی ہجری اور اس کے بعد کے قرون کی یادگار ہیں، جہاں سے صحیح معنیٰ میں علمی انحطاط کا دور شروع ہو چکا تھا۔ قدمائے امت کی وہ تالیفات جن میں علم کی روح موجود تھی، عبارت سلیس وشگفتہ، مسائل وقواعد واضح جن میں نہ عبارتی تعقیدات تھیں نہ دور از کار ابحاث، جن کے پڑھنے سے دل ودماغ صحیح معنیٰ میں متاثر ہو سکتے تھے، نہ وقت ضائع ہوتا تھا نہ دماغ پر بوجھ کا خطرہ ہوتا تھا۔ ان کی جگہ ایسی کتابیں تصنیف ہوئیں جن میں سب سے زیادہ کمال اختصار نویسی کو سمجھا گیا، زیادہ زور لفظی بحثوں پر دیا گیا، لفظی موشگافیاں شروع ہوئیں، یوں اگر کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ کاغذ تو کم خرچ کیا گیا لیکن وقت اور دماغ کو اس کے حل پر زیادہ صرف کیا گیا۔ بڑا کمال یہی سمجھا گیا کہ عبارت ایسی دقیق وغامض ہو جس کے لیے شرح وحاشیہ کی ضرورت ہو، کئی کئی توجیہات کے بغیر حل نہ ہو، آخر یہ علمی عیاشی نہیں تو اور کیا ہے؟! میرے ناقص خیال میں یہ علم کا سب سے بڑا فتنہ تھا جس سے علوم اور اسلامی معارف کو بڑا نقصان پہنچا۔ بطور مثال اسلامی علوم میں "اصول فقہ" کو لیجیے، جو علومِ دین اور علوم اجتہاد میں اہم ترین ولطیف ترین فن ہے، جو قرآن وسنت سے نئے نئے استنباطات کے لیے سب سے اہم راستہ تھا، جس کی باقاعدہ تدوین کا فخر دولتِ عباسیہ کے سب سے پہلے قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ کو حاصل ہے اور امت میں اس کے بعد سب سے پہلی کتاب امام محمد بن ادریس الشافعیؒ کی کتاب الرسالۃ ہے، جو عرصہ ہوا مصر میں کتاب الام کے ساتھ چھپ چکی ہے اور اب کچھ عرصہ ہوا بہت آب وتاب سے قاہرہ سے شائع ہوئی ہے۔ اسی فن میں امام ابو بکر رازی جصاصؒ (متوفی ۳۷۰ھ) نے کتاب الفصول فی الاصول لکھی ہے، جس کا ایک عمدہ نسخہ دار الکتب المصریہ قاہرہ میں موجود ہے اور جس کی نقل راقم الحروف کے توسط سے مجلس علمی ڈھابیل (حال کراچی) کے لیے ہندوستان وپاکستان میں آئی۔ امام فخر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الاسلام بزدویؒ نے کتاب الاصول لکھی، جس کی عمدہ ترین شرح عبدالعزیز بخاریؒ کی ہے جو ترکی کے سابق دارالخلافہ سے دو دفعہ شائع ہوئی ہے اور جس کی محیر العقول عظیم ترین شرح امیر کاتب عمید الدین اتقانی کی ''الشامل'' دس ضخیم جلدوں میں دارلکتب المصر یہ قاہرہ میں موجود ہے اور اس کا ایک نسخہ استنبول کے کتب خانہ فیض اللہ آفندی میں ہے لیکن افسوس کہ دونوں جگہ ابتدائی دواڑھائی جزء ناقص ہیں۔ اس کی نقل بھی راقم الحروف کے توسط سے مجلس علمی میں آچکی ہے۔ امام شمس الائمہ سرخسی نے کتاب الاصول لکھی جس کے نسخے ترکی ومصر میں موجود ہیں۔ یہ اور اس کے علاوہ اس فن میں متقدمین کی عمدہ ونافع کتابیں ہیں۔ امام حجۃ الاسلام غزالیؒ کی ''مستصفی الاصول'' اس فن کی عمدہ کتاب ہے اور اس فن میں امام ابوزید دبوسیؒ کی ''تقویم الادلہ'' بےنظیر ہے۔

اب خیال فرمایئے! ایسی نادرۂ روزگار کتابوں کی جگہ امام ابن ہمامؒ کی ''تحریر الاصول''، ابن حاجبؒ کی ''مختصر الاصول'' اور قاضی بیضاویؒ کی ''منہاج الاصول'' یا ابوالبرکات نسفیؒ کی ''منارالاصول'' یا صدرالشریعہؒ کی ''تنقیح الاصول'' نے لے لی۔ اگر تحریر الاصول کی شرح التحبیر والتقریر ابن امیر الحاج کی نہ ہو یا ''التیسیر'' ابن امیر بخاری کی نہ ہو اور قاضی بیضاویؒ کی منہاج کی شرح الاسنوی کی نہ ہو تو یہ چیستانیں امت کے کیا کام آسکتی ہیں؟ یہ مانا کہ ان میں کچھ لطیف ودقیق ان کے مختارات یا خصوصی ابحاث بھی ہیں لیکن دوسری طرف جس تعبیر میں ادا ہوئی ہیں وہ کوئی روح پیدا کرنے کے لیے مفید نہیں ہوسکتیں۔ اسی طرح صرف، نحو، معانی، بیان، منطق، فلسفہ، فقہ، تفسیر اور ادب وغیرہ کا جائزہ لیا جائے تو سب کا حاصل یہی نکلے گا۔ مروجہ درسیات میں ایسی کتابیں داخل ہیں جن میں پوری داد تدقیق دی گئی اور ایجاز واختصار کا ریکارڈ قائم کیا گیا ہے۔

بے شک ذہن کی جلاء، دقتِ نظر اور موشگافی کے کمال کو حاصل کرنے کے لیے یہ موزوں ترین ہوں تو ہوں لیکن عہد حاضر میں ان کے جو نقائص محسوس ہوئے ہیں ان میں سے بطور مثال چند پیش کیے جاتے ہیں:

(۱)......ان کتابوں میں زیادہ تر وقت لفظی مباحث اور عبارتی موشگافیوں پر خرچ ہوتا ہے۔

(۲)......فن کے قواعد اور مسائل یاد کرنے کے بجائے مصنف کے مقصد سمجھنے پر وقت ضائع ہوتا ہے۔

(۳)......فن کے قواعد اور مسائل یاد ہوجانے سے جو ایک اعلیٰ سلیقہ اور ملکہ پیدا ہوتا ہے اور ایک خاص قسم کی بصیرت حاصل ہونی چاہیے ان مختصرات سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

(۴)......صرف ان کا پڑھنے پڑھانے والا بہت مشکل سے اس فن کا محقق وبابصیرت عالم بن سکتا ہے، مدرس کا سارا وقت اس لفظی وعبارتی تعقیدات کی نذر ہوجاتا ہے اور اس میں نکتہ آفرینی کو کمال سمجھنے لگتا ہے، اس کو اتنی فرصت ہی نہیں مل سکتی کہ اس فن کی امہات تصنیفات کا مطالعہ کرسکے۔

(۵)......مشکل پسندی کا ذوق ختم ہوچکا ہے، صرف ونحو کے مسائل میں فقہ واصول کی عبارات میں ہیئت و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ریاضی کی مثالوں کے قائم کرنے کا دور گزر چکا ہے۔

(۶) بہت سے دین دار حضرات کو ان علوم اسلامیہ کے حاصل کرنے کا شوق دامن گیر ہوتا ہے، جب ان مشکلات کا احساس ہوتا ہے تو گھبرا کر مجبوراً اپنے ارادہ کو شرمندۂ عمل نہیں کر سکتے۔

(۷)...... جو شخص ذکی الطبع اور ذہین نہ ہو یا محنتی نہ ہو وہ ان کتابوں سے مستفید نہیں ہو سکتا۔

(۸) متن اور اس پر شرح اور پھر شرح کا حاشیہ، یہ اسلوب عصرِ حاضر کے ذوق کے بالکل خلاف ہے۔

(۹) ان کتابوں میں اختصار کی وجہ سے فن کے بہت اہم مسائل اور جزئیات نہیں آسکے اور جتنے آسکے اختصار کی بنہ سے اس کے اطراف و جوانب اتنے واضح نہ ہو سکے۔

(۱۰)...... علم کلام جدید، فلسفۂ جدیدہ، علم الاقتصاد اور بعض علوم جدیدہ سے قدیم نصاب کا دامن خالی ہے اور آج اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، جس طرح پہلے جہمیہ، حشویہ، خوارج، معتزلہ اور قدریہ صحیح مسلک سے ہٹے ہوئے تھے اور باطل فرقے پیدا ہوئے تھے اور جس طرح ان کے عقائد اور ان کی تردید دین کا اہم جز تھا اسی طرح آج لادینی نظامِ حیات اشتراکیت اور فسطائیت وغیرہ کے مسائل پر قواعد اسلام کے پیش نظر نقد و تبصرہ دین کا اہم جز ہے۔ آج اگر ہمارے اسلاف زندہ ہوتے تو جس طرح اس وقت فرق باطلہ کی تحقیق و تنقیح کے بعد امت کے لیے اسلحہ تیار کر کے دے چکے تھے اسی طرح آج بھی جدید اسلحہ دفاع کے لیے تیار کرتے اور جدید علوم آلیہ کا بیش بہا اضافہ فرماتے۔ اس ضمن میں سرسری طور پر چند موٹی موٹی باتیں عرض کی گئی ہیں، اگر ہم ان اشارات کو اور اختصار سے پیش کرنا چاہیں تو اس کا خلاصہ دو چیزیں ہیں: (الف) قدیم علوم کی کتابوں میں اکثر مروجہ کتابوں کی تبدیلی۔ (ب) جدید علوم کا اضافہ

اگر غور کیا جائے تو ہمارے مدارس میں ۲۲ علوم کی تقریباً سو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن پر کم از کم آٹھ سال کا عرصہ لگتا ہے۔ ان میں جہاں تک راقم الحروف نے غور کیا بہ مشکل دس کتابیں ایسی ہیں جن کا ہمیں بدل نہیں ملے گا، بقیہ سب کا نعم البدل قدماء ہی کی کتابوں میں مل سکتا ہے۔ ہم ان قدیم علوم کو ہٹانا نہیں چاہتے، بل کہ ان علوم میں صحیح مہارت و قابلیت پیدا کرنے کے لیے بہتر کتابوں کو داخل کرنا چاہتے ہیں، یعنی ہم اس سلسلے میں تجدد نہیں، بلکہ تقدم چاہتے ہیں اور یہ ان علوم اسلامی کی خیر خواہی کے لیے چاہتے ہیں اور امتِ حاضرہ کے پیشِ نظر یہ خواہش رکھتے ہیں۔ اب میں جن نقطوں کے پیش نظر جن خطوط پر جدید نصاب کی بنیاد یا قدیم نصاب کی ترمیم کا خواہش مند ہوں ان کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔

جدید نصاب کی ضرورت اور اس کی خصوصیات: جدید نصاب تعلیم میں جو بنیادی خطوط ہیں میرے ناقص خیال میں اس کے تین نقطے ہیں: (الف) تخفیف: یعنی نصاب مختصر ہو، جس کی فراغت وحصول میں بہت زیادہ عرصہ کی ضرورت نہ ہو۔ (ب) تیسیر: یعنی نصاب میں مندرجہ کتابیں سہل و سلیس زبان میں ہوں، پیچیدہ و دقیق نہ ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۔(ج) محو واثبات یا اصلاح و ترمیم: یعنی بعض غیر اہم فنون کو ساقط کر کے جدید مفید علوم کا اضافہ۔

ان نقاط کی تشریحات:

پہلے نقطے کی تشریح: نصاب جتنا مختصر ہوگا اس کے طالبین و شائقین میں حصول کا جذبہ زیادہ پیدا ہوگا۔ یہ درست ہے مختصر نصاب سے بعض اوقات ہر طبیعت پوری طرح مستفید نہ ہو سکے گی، لیکن اس کی تلافی کے لیے ایک مشترکہ عام نصاب کے بعد تخصص و تکمیل (ڈاکٹریٹ) کے درجات مقرر کیے جائیں، جس کو جس فن سے زیادہ مناسبت ہو یا طبعی رجحان ہو اس کو وہ حاصل کر کے فن کا ماہر خصوصی بن سکے گا۔ مصر کے جامع ازہر نے جدید نظام تعلیم میں انہی اصولوں کا خیال کیا ہے اور جامع ازہر کے جدید نظام تعلیم میں تین کلیات (کالج) ہیں: (۱)......کلیہ اصول الدین (۲)......کلیۃ الشریعۃ (۳)......کلیۃ الآداب۔ پھر ہر کلیہ میں کچھ درجات تخصص (ڈاکٹریٹ) کے رکھے ہیں۔ میرے خیال میں تخصص و تکمیل کے لیے حسب ذیل درجات ہونے چاہئیں:

(۱) التخصص في علوم القرآن والتفسير (۲) التخصص في علوم الحديث (۳) التخصص في الأدب والتاريخ (٤) التخصص في الفقه والافتاء واصول الفقه (٥) التخصص في علم التوحيد والفلسفة والمعقول (٦) التخصص في علم المعيشة والاقتصاد (۷) التخصص في علم الاخلاق والتصوف .

سہ سالہ مختصر نصاب: اس ضمن میں میری خواہش یہ ہے کہ ہمارے مرکزی مدارس میں جہاں علمی نصاب و علمی تحقیقات کے لیے کوشش ہو اس کے ساتھ ایک ایسا مختصر نصاب ان حضرات کے لیے مقرر کیا جائے جو انگریزی تعلیم سے بقدر ضرورت فراغت پا چکے ہیں، وہ مدرس عالم بننا نہیں چاہتے بل کہ صرف اپنی دینی ضرورت کے پیش نظر قرآن و حدیث و اسلامی علوم سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے زیادہ سے زیادہ سہ سالہ ایک نصاب مقرر کیا جائے جس میں صرف، نحو، قرآن و حدیث، فقہ و عقائد اور ادب و تاریخ تک علوم شامل ہوں، ان کو پڑھ کر عربی زبان میں بولنے اور لکھنے کی قدرت کے ساتھ اپنی ضرورت کو پورا کر سکے اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وقت کے اہم تقاضوں میں ایک تقاضہ یہ بھی ہے اور بہت سے قلوب میں یہ تڑپ موجود ہے۔ جہاں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ایک انگریزی گریجویٹ عالم دین بن سکے اس کا اہم فائدہ یہ بھی ہوگا کہ دینی و دنیوی تعلیم میں جو خلیج حائل ہے اور فریقین کا ایک دوسرے سے مسلک و خیال میں دو نقطوں پر الگ الگ ہیں، ان میں اجتماع کی خوش گوار صورت پیدا ہوگی اور ایک دوسرے سے قریب ہو جائیں گے اور خیالی و وہمی بدگمانیوں میں جو ہر فریق مبتلا ہے یہ اختلاف بھی ختم ہو جائے گا، اس لیے اب ہمیں تین نصابوں کی ضرورت ہوگی: (۱)......مدرس عالم کے لیے نصاب (۲)......ماہر خصوصی کے لیے نصاب (۳)......صرف دینی ضرورت کے لیے عالم بننے کا نصاب۔

دوسرے نقطہ کی تشریح: دوسرا نقطہ ''تیسیر'' کا تھا اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ ہر زمانہ کا ایک خاص مزاج اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور خاص ذوق ہوتا ہے، جب علم کی صحیح ترقی ختم ہوگئی یا رک گئی یا یوں کہیے معراجِ کمال تک ان علوم اسلامیہ اور مبادی علوم کا معیار جب بلند ہوا تو طبعی طور پر انحطاط لازمی تھا۔ اب سارا زورِ کمال تالیف کا معیار، قواعد کی تلخیص، مسائل کی تنقیح، عبارت آرائی، متن نویسی وایجاد طرازی، اختصار کے نئے نئے اسلوب اور لفظی موشگافیاں وغیرہ قرار پایا۔ علمی مسابقت کا میدان بھی بن گیا، منظوم قواعد تیار ہونے لگے، مبادی ووسائل مقاصد بن گئے، علوم عربیت کا مقصد قرآن وحدیث کے لغوی، ترکیبی اور اعرابی مشکلات کا حل تھا، لیکن آگے چل کر یہ مبادی خود مقاصد بن گئے۔ قرآن وحدیث کی تراکیب اپنی جگہ رہیں، خود ان کتابوں کے مسائل وعبارات مرکز توجہ بن گئے۔ ابن حاجبؒ کی ''کافیہ'' کو لیجیے جس کی پچاس سے زیادہ شرحیں لکھی گئی، پھر شرح ملا جامی جو ان شروح میں سے ایک شرح ہے اس کے حواشی وشروح کے لیے ایک دفتر چاہیے، اس پر اس کی شرح ''عبدالغفور'' کو لیجیے پھر اس کا تکملہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا اور ان دونوں کی شرح ''دافع التوہمات'' کو دیکھیے۔ اسی طرح ابن مالک کی ''الفیہ'' اس کی شرح اور ان میں سے شرح ''اشمونی'' پھر اس کی شرح ''صبان'' سات ضخیم مجلدات میں دیکھیے کہ ساری عمر انہی کے مطالعہ کی نذر ہو جائے۔

آخر غور کیا جائے کیا یہ مبادی واقعی اتنی توجہ کے مستحق تھے؟ بہر حال جو کچھ ہوا ایک خاص دور کا تقاضا تھا اور ذوقِ طلب تھا جو پورا ہوگیا۔ اس طرح بقیہ علوم وبقیہ کتب کو قیاس کر لیجیے۔ اب نہ تو طبائع میں وہ جولانی رہی، نہ وہ جفاکشی، محنت وعرق ریزی کی صلاحیت دماغوں میں رہی، نہ وہ فرصت وطمانیت رہی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نہ اس کی حاجت رہی، مشکل پسندی سے فکر اکتانے لگی، جدید کتابیں لکھی گئیں، ادب وانشاء کا طرز واسلوب بدل گیا، قدماء کی کتابیں پریس میں آنے لگیں، اہلِ عصر نے ہمت کر کے ذوقِ عصری کی تشنگی کے لیے جدید سانچوں میں ضیافت طبع کی خاطر عمدہ تصنیفات پیش کیں۔ اس ماحول میں اگر ہم اب بھی ان غیر اہم وسائل پر جمے رہیں گے تو علوم اسلامیہ سے توجہات ہٹ جائیں گی اور ہمارا یہ طرز عمل ہمارے اکابر وسلف کے اس ''تراثِ فاخر'' اور اس علمی ثروت وسرمایہ کو فنا کے گھاٹ اتار دے گا۔

یہ درحقیقت علم کی خیر خواہی نہیں بل کہ نادان دوست کا سا طرز عمل ہوگا۔ کیا فقہ اسلامی میں کنز الدقائق، وقایہ، نقایہ اور شرح وقایہ کے بہترین بدل اسلاف ہی کی کتابوں میں موجود نہیں؟! کیا جامع صغیر، جامع کبیر وغیرہ براہ راست مدوّنِ فقہ امام محمد بن الحسن الشیبانی کی کتابیں ہر حیثیت سے جامع نہیں ہیں؟ ان میں جو علم اور برکت ہوگی وہ ان متاخرین کی کتابوں میں کہاں سے ملے گی، میرے ناقص خیال میں کتب فقہ میں نور الایضاح، قدوری اور ہدایہ کے علاوہ بقیہ سب قابل تبدیل ہیں۔

دیکھیے! فلسفہ، منطق اور کلام کو لیجیے، امام غزالیؒ کے چند رسائل ''محک النظر، معیار العلم، مقاصد الفلاسفہ اور الاقتصاد فی الاعتقاد وغیرہ کے پڑھنے سے وہ مہارت پیدا ہو سکتی ہے جو بہ مشکل ان بڑی دقیق وطویل کتابوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل ہو سکے گی۔غزالی کی حسنِ تعبیر، تفہیم اور حلِ مشکلات کی فوق العادہ مقدرت کا کیا دنیا کے مسلمات میں شمار نہیں ؟ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض مسائل فن کے غیر مذکور ہوں اور بعض غیر منقح ہوں لیکن جتنے مذکور ہیں ان سے جتنی مہارت و مناسبت، انشراحِ صدور واطمینان قلب حاصل ہو سکتا ہے متاخرین کی اکثر کتابوں میں وہ روح کبھی نہیں مل سکتی۔

امام رازیؒ جو منطق اور فلسفہ کے سب سے بڑے امام ہیں ان کی کتابیں نہایت سلیس، شگفتہ عبارت میں جوامت کی رہنمائی وعقدہ کشائی کر سکتی ہیں وہ متاخرین کی کتابیں کبھی نہیں کر سکتیں، امام رازیؒ کی "لباب الاشارات، المحصل ،الاربعین کو دیکھیے ،مصنف کو دل سے دعا دیجیے۔ کیا مشکلات کو مشکل تر بنانا یہ کمال ہے یا مشکلات کو آسان کر کے امت کے سامنے پیش کرنا کمال ہے!!؟ یہ صرف چند مثالیں ناظرین کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں۔ بہر حال "تیسیر" کو اختیار کرنا نہ صرف وقت کا اہم تقاضا اور امتِ حاضرہ کی اہم ضرورت ہے بل کہ علوم اسلامیہ کی صحیح خدمت ہے اور علوم سے پہلے دین اسلام کی خدمت ہے۔

فرض کیجیے! ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم نے کاغذ کو بچا کر ایک صفحہ اتنے اختصار کے ساتھ کسی مضمون کو ادا کیا جس کی تفصیل چند ورق میں ہو سکتی ہے، لیکن اس کے پڑھانے کے لیے مدرس کو ایک گھنٹہ کا وقت دینا پڑا اور کافی تمہید و تشریح کے بعد وہ بمشکل حل ہوا، لیکن جہاں تشریح دماغ سے غائب ہوئی مضمون بدستور چیستاں رہا، اگر اس کا وہ مضمون دو صفحات میں ادا کیا جاتا اور سرسری نظر میں ذہن نشین ہو جاتا تو بتائیے کون سا طریقہ بہتر ہوتا؟ غور فرمائیں کہ بلاشبہ کاغذ و روشنائی تو زیادہ خرچ ہوئی لیکن وقت و دماغ کم خرچ ہوا، گویا ہم نے اختصارات وایجازات سے کاغذ پر تو رحم کیا لیکن دماغ جیسے لطیف جوہر اور وقت جیسے گراں مایہ سرمایہ کو بے رحمی سے خرچ کیا۔ کیا غزالی، رازی، تقی الدین، ابن دقیق العید، عز الدین بن عبد السلام، ابن تیمیہ اور ابن القیم جیسے افراد روزگار محققین ان چیستانوں کی بدولت اذکیائے امت میں شمار ہوئے ہیں؟ کیا ان بزرگوں کی کتابوں میں ان متاخرین یا قرونِ متوسطہ کے مشکل پسند طرزِ تعبیر کا کہیں سراغ ملتا ہے؟ داستان طویل اور دردناک ہے، حاصل وہی ہے جو گذشتہ سطروں میں پیش کیا گیا۔

تیسرے نقطے کی تشریح: تیسرا نقطہ جس کا ذکر کیا گیا وہ "محو واثبات یا اصلاح وترمیم" ہے۔ میری مراد اس سے یہ نہیں کہ یہ سارا دفتر پارینہ اور غرقِ مئے ناب اولیٰ ہے، ہرگز نہیں، بل کہ یہ علومِ محمدیہ کا سب سے بڑا سرمایۂ حیات ہے، اس کی حفاظت، اس کی تربیت عصر حاضر کے ابنائے امت کا سب سے بڑا فرض ہے، مسلمانوں کے دین اور ان کے تمدن کی بقا کے لیے ان علوم کی بقاء ایسی ہی ضروری ہے جیسے حیات بدن کے لیے روحِ انسانی کا وجود، بل کہ اس دورِ الحاد و دہریت میں ان کا تحفظ اور ان کی نشر و اشاعت کی ضرورت سابق سے کہیں زیادہ اہمیت حاصل کر چکی ہے، لیکن اس واقعی حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے کہ اس پُر فتن و پُر آشوب عہد میں نجات کی راہ، فلاح و ترقی کا صحیح میدان بھی علوم اسلامیہ ہیں یا یہی دینِ اسلام ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے ہمیں اصلاح و تبدیلی کی ضرورت پیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئے گی۔ گذشتہ چند صدیوں سے جو علمی نظام یا علمی نصاب رائج ہو گیا ہے وہ امت کی موجودہ سمیّت کے لیے تریاق نہیں بن سکتا، جو امراض پیدا ہو چکے ہیں ان کی شفایابی کے لیے یہ کافی نہیں ہے۔ گزشتہ رائج نصاب تعلیم میں قرآن مجید، علوم حدیث تاریخ اسلامی، سیرت نبویہ، ادب وعلوم بلاغت کو وہ اہمیت حاصل نہیں تھی جو بقیہ علوم وفنون کو حاصل تھی۔ نصاب تعلیم میں اولیت واہمیت کا درجہ ان علوم کو حاصل ہونا چاہیے، بقیہ علوم کو ثانوی درجہ میں رکھنا چاہیے۔ عربی ادبی زبان میں گفتگو، خطابت، انشاء ان کو کبھی اہمیت نہیں دی گئی، لیکن اب وقت کا اہم تقاضا ہے کہ ان امور کو سب سے پہلا درجہ نصاب میں حاصل ہونا چاہیے۔ لسانیات ہی کے طرز تعلیم پر عربی ادب کی تعلیم وتربیت ہونی ضروری ہے۔ جدید ادبی اسلوب جس میں فرانسیسی ادب کے اسلوب سے استفادہ کیا گیا ہے، جس میں غضب کی جاذبیت و عجب شیرینی ہے اور ادب کا یہ اسلوب قدیم بل کہ قدیم تر اسلوب سے بہت قریب ہے۔ جاحظ، ابن المقفع اور عہد ناموں کے اسلوب کا ذخیرہ امت کے سامنے موجود ہے، بل کہ احادیثِ نبویہ کا اسلوبِ بیان اور فصحاء صحابہ کا طرز بیان، خطبائے عرب کا قدیمی اسلوب بہت ہی متقارب ہیں۔

تیسری چوتھی صدی تک تقریباً یہی اسلوب بیان تھا، بعد میں بدیع الزماں ہمدانی کے مقاماتی انشاء ادب نے، پھر حریری کے پُر تکلف سجع بندی نے اس ادب کا خاتمہ کر دیا، لیکن پھر بھی قرونِ متوسطہ میں جستہ جستہ ادباء کا یہی طرز رہا۔ غرض یہ کہ الادب الحدیث یا الادب الجدید قدیم ترین اسلوب سے بہت اقرب واشبہ ہے اور اسی میں مہارت و قابلیت وامتیاز پیدا کرنے سے قرآن وحدیث کی زبان کی شیرینی محسوس ہو سکتی ہے۔ اگر ہمارے نصابِ تعلیم میں جاحظ اور ابن قتیبہ اور ابن المقفع کی کتابیں نہ سہی کم از کم الشریف الرضی کی ''نہج البلاغۃ'' ہوتی جب بھی ادبی ذوق میں اتنا انحطاط نہ ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ قدیم علوم کی بہت سی کتابوں میں تبدیلی کی ضرورت ہے اور بجائے متأخرین کے قدماء کی کتابوں و مصنفات میں بہتر بدل موجود ہے۔ منطق، قدیم فلسفہ، قدیم کلام اور قدیم ہیئت میں بہت سرسری معلومات بھی کفایت کر سکیں گی۔ تنقیح کے ساتھ قواعد ومصطلحات کا علم کافی ہوگا اور ان کی جگہ تکمیل کے لیے جدید علم کلام وجدید ہیئت وریاضی واقتصادیات کو دینا چاہیے۔ اس نصف صدی میں ان علوم کا کافی ذخیرہ عربی میں آ چکا ہے، لیکن بہت سے گوشے ابھی تشنۂ تکمیل ہیں، تاہم جتنا ذخیرہ عربی میں مدون ہو چکا ہے اس سے مستفید ہونا چاہیے۔ بعض عمدہ کتابیں اردو میں ملیں گی، ان کو داخلِ نصاب کیا جائے۔ اس وقت اس موضوع کی تفصیل مقصود نہیں صرف اصولی بحث ملحوظ ہے۔ جس وقت نصاب کی تعیین کا مسئلہ پیش نظر ہوگا اس وقت مزید تبصرہ کی ضرورت ہوگی تاکہ نصاب جدید میں فیصلہ کن اقدام ہو سکے۔ یہ چند منتشر پراگندہ تصورات تھے جو ناظرین کی خدمت میں ''جهد المقل دموعه'' پیش کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔

☆......☆......☆

© rasailojaraid.com